تعمیر ملت *

(خطبہ صدارت)

قدرت اللہ شہاب

ایک بار علامہ اقبال نے بڑی دردمندی سے سوال کیا تھا ۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

اس کا جواب تو خیر جو ہم نے دیا سو دیا ۔ لیکن اگر علامہ آج ہمارے درمیان موجود ہوتے اور اپنے مخصوص انداز میں کہیں یہ پوچھ بیٹھتے کہ یوں تو تم پنجابی بھی ہو ، پٹھان بھی ہو ، سندھی بھی ہو ، بلوچی بھی ہو ، تم سبھی کچھ ہو ، لیکن بتاؤ تو پاکستانی بھی ہو ، تو وہ لوگ واقعی بڑے خوش نصیب ہوتے جو سینے پر ہاتھ رکھ کے اللہ میاں کو حاضر و ناظر جان کر سچے دل سے اقرار کر سکتے کہ جی ہاں بے شک ہم پاکستانی بھی ہیں بلکہ محض پاکستانی ہی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے درمیان اور ہمارے گرد و پیش بہت بڑی اکثریت ایسے ہی خوش نصیب لوگوں کی ہے جو محض پاکستانی ہی ہیں ۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ کبھی کبھی اور کہیں کہیں ایسے لوگ بھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں جو طبقاتی لات و منات کی پوجا کرتے ہیں۔ مذاہب میں مشرکین اور قوموں میں منافقین کا وجود ایک تاریخی المیہ ہے ۔ برسات آتی ہے تو مینڈک ضرور نکلتے ہیں ۔ ملک بنتے ہیں تو تحزیب کے حشرات الارض بھی ساتھ ہی ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں لیکن پاکستان میں مصیبت یہ ہے کہ یہ کیڑے مکوڑے اندرون خانہ پیدا تو ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کی نشو و نما اور پرورش اور تربیت زیادہ تر باہر سے ہوتی ہے۔ بیرونی ممالک سے انہیں فقط دانا دنکا ہی نہیں ملتا بلکہ ان کے ذہن کے لیے علم و ادب کے طومار، ان کے قلب کے لیے ٹیڑھی ترچھی دانشوری کے ہیجان ، اور ان کی نظر کے لیے سیدھی آنکھوں کو بھینگا کر دینے والی رنگدار عینکیں بڑی افراط سے مہیا ہوتی رہتی ہیں۔

---

* علامہ اقبال کے ۳۷ ویں یوم وفات کے موقع پر ۲۱ اپریل ۱۹۷۵ء کو اقبال اکادمی کی جانب سے منعقدہ اجلاس کراچی میں پڑھا گیا ۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے وطن میں نام نہاد دانشوروں کا ایسا ٹولہ بھی سر ابھارتا رہتا ہے جنہیں سارے ہندوستان میں فقط ایک قوم اور بچارے پاکستان میں چار چار قومیں آباد نظر آنے لگتی ہیں۔ وطن عزیز میں ایسے کور چشم عناصر کا وجود کسی اتفاق حادثے یا عارضی کج روی کا نتیجہ ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ ایک منظم پروگرام اور سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے ۔ اس سازش اور پروگرام کی بنیاد انڈین نیشنل کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا وہ ریزو لیوشن ہے جو اس نے تقسیم ہند کی تجویز کو منظور کرتے وقت ۱۹۴۷ میں پاس کیا تھا ۔ اس ریزو لیوشن کے آخری پیرے کا لب لباب یہ ہے کہ ہم بھارت ماتا کی تقسیم کو بصد افسوس اس امید کے ساتھ منظور کرتے ہیں کہ یہ محض ایک عارضی بندوبست ہوگا اور ہمیں یقین ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ہندوستان ایک بار پھر ایک متحدہ ملک بن جائے گا۔

جب اس پس منظر میں برصغیر کی تقسیم ہوئی تو ہم لوگ تو ہنسی خوشی دولت خداداد پر ہاتھ صاف کرنے میں مشغول ہو گئے اور ہندوستان اپنے کئی دوسرے پشت پناہوں کی مدد کے ساتھ اپنی اس mental reservation کو عملی جامہ پہنانے پر تل گیا جس کے ساتھ اس نے پاکستان کے وجود کو طوعاً وکرہاً تسلیم کیا تھا ۔ ہماری آزادی کی ۲۸ سالہ تاریخ ہماری اسی غفلت اور سادگی اور غیروں کی اسی عزم و عیاری کا مرقع ہے ۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ہم نہ صرف اس کانگریسی ریزولیوشن کی خوفناک حقیقت کو بھولتے گئے بلکہ اپنے نصب العین اور اپنے وجود کی وجوہات کو بھی خود فراموشی کے سمندر میں ڈبوتے چلے گئے ۔ یوں تو ہر ملک اور ہر قوم کا کوئی نصب العین ہوتا ہے ۔ لیکن ان کو کبھی یہ ضرورت پیش نہیں آتی کہ وہ بار بار اپنے آپ کو اس نصب العین کی یاد دہانی کرائیں یا دوسروں کو اپنا نصب العین بتائیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ملکوں میں سر زمین وطن کی تاریخ اور قوم کا مزاج اور شعور صدیوں سے ہم آہنگ ہو کر پروان چڑھتا رہا ہے ۔

لیکن پاکستان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری تاریخ پرانی لیکن جغرافیہ نیا ہے ۔ تاریخی لحاظ سے ہماری قومیت کا وجود کئی سو سال پرانا ہے ۔ لیکن جغرافیائی اعتبار سے ہماری عمر فقط ۲۷\۲۸ سال کے درمیان بنتی ہے ۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ۱۹۷۱ء کے المیے کے بعد پاکستان کی جو نئی جغرافیائی حدود قائم ہوئی ہیں ان کی عمر تو فقط تین سوا تین سال ہے ۔ ہماری قومیت کے تاریخی شعور اور وطنیت کے جغرافیائی وجود کے درمیان جو صدیوں کا فاصلہ حائل ہے اس نے ہمارے نفسیاتی ، ذہنی ، سیاسی ، قومی اور بین الاقوامی پہلوؤں میں کافی تضاد ، انتشار اور confusion پیدا کر رکھا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بار بار اپنے آپ کو اور دوسروں کو یہ یقین دلانے کی ضرورت پیش

کرنی پڑتی ہے کہ حب الوطنی ایک اچھی چیز ہے اور اپنی سرزمین سے محبت اور وفاداری ہر پاکستانی کا فرض ہے ۔ اس کے برعکس ایران، مصر، جاپان ، انگلستان اور دوسرے ممالک میں اس قسم کی تعلیم اور تلقین کی ضرورت کبھی لاحق نہیں ہوتی۔ اگر ہم کسی ایرانی ، مصری ، جاپانی یا انگریز سے کہیں کہ ایران ، مصر ، جاپان اور انگلستان ان کے اپنے ملک ہیں اس لیے اپنے اپنے وطن سے محبت اور وفاداری کرنا اُن کا فرض منصبی ہے تو وہ حیرت سے ہمارا منہ تکنے لگیں گے کہ ہم نے یہ کیا عجیب اور مہمل بات کہدی ۔ شاید وہ یہ بھی سمجھیں کہ یہ بات کہکر ہم نے ان کی غیرت اور حمیّت کی توہین کی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو ایرانی اور ایران ، مصری اور مصر ، جاپانی اور جاپان، انگریز اور انگلستان بیک وقت ایک ہی چیز ہیں ۔ ان کی قومیت اور وطنیت صدیوں سے ہم آہنگ رہی ہے ۔ اور ایک کا وجود دوسرے کے بغیر ناقابل تصور ہے ۔ لیکن دوسری طرف اپنے وطن عزیز میں جب تک ہمارے ہر وعظ و پند میں یہ ارشاد نہ ہو کہ پاکستان ہمارا وطن ہے اس کا استحکام ، اس کی بقا ، اس کے ساتھ وفاداری ہمارا فرض ہے اس وقت تک ہماری بات مکمل ہی نہیں ہو پاتی ۔ اس پر طرہ یہ کہ یہ نصیحت کرتے وقت نہ کہنے والے کو حجاب آتا ہے نہ سننے والے کی حمیت پر کوئی تازیانہ لگتا ہے ۔ کیونکہ ذہنی اور نفسیاتی طور پر ہم اندر ہی اندر ایک بے شعور سی غیر یقینی کا شکار ہیں۔ اس لیے ہمیں ہر وقت کسی نہ کسی صورت سے اس قسم کی یقین دہانیوں کی ضرورت لاحق رہتی ہے ۔

کچھ ایسا ہی معاملہ نصب العین کے متعلق ہے ۔ ہم نے جن بنیادوں پر پاکستان کا مطالبہ کرکے اسے حاصل کیا تھا ان میں نظریاتی طور پر اسلام کا نعرہ سر فہرست تھا۔ لگانے کو یہ نعرہ ہم نے لگا دیا لیکن حصول پاکستان کے بعد جب اسے عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو قدم قدم پر احساس کمتری ، بے عملی ، منہ زبانی جمع خرچ اور ہیر پھیر نے ہمارا راستہ روکا اور رفتہ رفتہ ہم اسلام کے نام پر ایک ایسا سفید ہاتھی white elephant بن گئے جس کے کھانے کے دانت اور ہیں، دکھانے کے اور ۔ اسلامی دانت زیادہ تر دکھانے کے، کام آتے ہیں ۔ باقی سارے دانت کھانے ہی کے ہیں ۔ کبھی قوم کا غم کھانے کے کبھی عالم اسلام کا ، لیکن اکثر و بیشتر اپنے ہی مفاد کا ۔ اس دوغلے پن نے ہمارے قومی کردار میں سب سے زیادہ جس خصوصیت کو فروغ دیا ہے اس کے لیے سب سے زیادہ جامع لفظ ایک ہی سمجھ میں آتا ہے ۔ وہ لفظ " ملاوٹ " ہے ۔ دین میں دلداری کی ملاوٹ ، قومی امور میں ذاتیات کی ملاوٹ ، ثقافت میں سیاست اور بے ایمانی کی ملاوٹ ۔ باقی رہی تجارت ۔ اس میں جس جس طرح کی ملاوٹ آج ہر سر بازار عروج

بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے دل میں کبھی کبھی بڑی شدت سے یہ سوال بھی ابھرتا رہتا ہے کہ کیا یہ ملک واقعی سلامت رہ سکتا ہے یا رہے گا؟ یہ سوال کسی وطن دشمنی کی وجہ سے نہیں اٹھتا ۔ نہ ہی اس کی وجہ حب الوطنی کے جذبے کا فقدان ہے ۔ بلکہ اس کی اصلی وجہ اُس پس منظر سے بڑھتی ہوئی لاعلمی ہے جس میں پاکستان ایک الگ ملک کی حیثیت سے وجود میں آیا ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ لاعلمی شدید سے شدید تر ہوتی جارہی ہے ۔ ہم نے ابھی تک پوری طرح یہ کوشش ہی نہیں کی کہ ہماری نئی نسلوں کو اُن حالات اور ماحول سے آشنا رکھا جائے جن کی وجہ سے پاکستان کا مطالبہ پیدا ہوا اور کن کن مشکلات کے باوجود یہ مطالبہ پورا ہوا ۔

میرے خیال میں علامہ اقبال کو صحیح خراج عقیدت اسی طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ ان کے افکار اور فلسفے کو بیان کرتے وقت عالم اسلام عموماً اور جنوبی ایشیا خصوصاً کے اُس سماجی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی ماحول کو بھی پوری طرح بے نقاب کیا جائے جس نے ایک مرد قلندر کو سیاستداں بنا کر ۱۹۳۰ میں پاکستان کا خواب دیکھنے پر مجبور کردیا تھا ۔ اس قسم کی مربوط تشریح کے بغیر کلام اقبال قوالیوں میں تو ضرور بڑی دھوم دھام سے کام آئے گا لیکن تعمیر ملت میں ہماری کم مائیگی اُس حکیم الامت پر بھی بہتان باندھے گی کہ ''وہ اک مرد تن آساں تھا تن آسانوں کے کام آیا''۔